

مولانا عبد القدوس ہاشمی

مستشرقین کا طریق واردات اور استعمار کی حمایت

خدا کی رحمت | یہودیوں اور عیسائیوں کا واسطہ مسلمانوں سے بالکل ابتدائی دور میں ہو گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مکی دور ہی میں یہودی اور عیسائی دین اسلام پر اعتراضات کی ابتداء کر چکے تھے۔ اور مخالفت کرنے میں وہ قریش کے بت پرستوں کے ہمناو تھے۔ مدینہ منورہ کے دس سالہ دور میں یہ مخالفت اور زیادہ شدت اختیار کر گئی خصوصاً یہودیوں کی مخالفت اور طرح طرح کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ قرآن حکیم کے وحی الہی ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی صادق ہونے کے خلاف طرح طرح کے اعتراضات اور جوابات کا ذکر موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت صدیقی و فاروقی میں ان لوگوں سے مسلمانوں کو ہر جگہ واسطہ پڑا۔ اور عراق و شام کی فتوحات نے تو آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کی راہیں پوری طرح کھول دیں۔ عیسائی علماء مذہب نے اس زمانہ سے بطورِ مہم کے اسلام اور اس کی تعلیمات سے واقفیت پیدا کرنے اور قرآن مجید اور سیرت رسول کے متعلق طرح طرح کی شبہات پیدا کرنے کی ابتدا کر دی تھی۔ مگر اس زمانہ میں ان کی طرف خود عیسائی بھی کچھ زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بازنطینی حکومت کی سخت گیری کے مقابلہ میں مسلمانوں کی رواداری اور آزادی نے مفتوحہ علاقوں کی غیر مسلم اہلی کے لئے ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی کہ لوگ مسلمان تاجمین کی آمد کو ”خدا کی رحمت“ سے تعبیر کرتے تھے اور اپنے متعصب مذہبی پیشواؤں کی طرف لوگ کم ہی توجہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں لوگ جوق درجوق مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ مصر و شام کے عیسائی اور یہودی علماء اور پیشوایانِ مذاہب اس کے مقابلہ میں بے دست و پا ہو گئے تھے ولید بن عبد الملک (۸۶-۹۶) کے دور میں کاشغر، بخارا اور سندھ فتح ہو گیا اور اس زمانہ میں اندلس بھی ملک اسلامیہ میں شامل ہوا۔ اب اہل یورپ سے مسلمانوں کا براہِ راست تعلق قائم ہو گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی یورپ کے زائرین بڑی تعداد میں بیت المقدس کنسیہ قیامت اور ولادت گاہِ مسیح کی زیارت کے لئے جاتے تھے۔ بلکہ بہت سے یورپین طلبہ بیت المقدس اور دمشق میں رہ کر علم حاصل کرتے تھے۔ مگر ان کا تعلق اتنا گہرا اور ایسا دور نہ ہوتا تھا جیسا کہ اندلس کی فتح کے بعد سے ہو گیا۔

عیسائیوں کا جبل و فریب | یورپ کے طالبان علم کا تعلق اور عیسائی و یہودی پیشوایان مذہب کی اس دم کے خلاف، علم فلسفہ اور تحقیقات کے نام سے، مساعی بالکل ابتدائی دور اسلامی ہی سے جاری تھیں اور آج تک جاری ہیں۔ اس لئے ہم تاریخ کے کسی خاص وقت کو اس جدوجہد کا نقطہ آغاز قرار نہیں دے سکتے۔ البتہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کے طریقے بدلتے رہے۔ مقاصد میں اگرچہ کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی۔ لیکن کلیسا کا زور ٹوٹنے کے بعد سے کچھ ایسے مستشرقین ضرور پیدا ہوئے جنہوں نے جرأت کے ساتھ اپنے ہی اساتذہ کی پھیلائی ہوئی بہت سی باتوں کو غلط قرار دیا۔ اور پوری قوت کے ساتھ ان کی تردید کی۔ یہ فیصلہ کن مشکل ہے۔ کہ اس تردید سے ان کا مقصد سچ کو سچ کر کے دکھانا تھا یا خود اپنی طرف سے پیدا کئے ہوئے مشکوک کو قابل قبول قرار دینا تھا اس لئے کہ ان تردید کرنے والوں میں سے اکثر نے جہاں اپنے پیش رو مستشرقین کے کذب و افترا کی پوری قوت کے ساتھ تردید فرمائی ہے۔ وہاں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ نئے شبہات بھی پیدا کر دئے ہیں اور اپنی معصومیت کے ساتھ دبی زبان میں کوئی نہ کوئی نئی بات کہہ گئے ہیں کہ پڑھنے والوں کو ان کی نیت پر کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہو سکے۔ مثلاً لندن یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر علامہ ڈینیس سورا اپنی کتاب "تاریخ الادیان" میں قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے وسرو با اعتراضات اور اپنے ماقبل کے مستشرقین کی پھیلائی ہوئی جھوٹی باتوں کی پوری قوت کے ساتھ تردید کرتے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۳۲ء میں لندن سے شائع ہوئی ہے۔ وہ اپنے بیان میں اس قدر غیر متعصب اور بے لاگ مصنف نظر آتے ہیں۔ کہ کسی کو ان کی نیت پر شبہ کرنے کی گنجائش نظر نہیں آتی بلکہ وہ اچھے خاصے عقیدت مند کی طرح بیان کرتے ہیں کہ:-

"مذہب کے عظیم بانیوں میں سے شاید محمد ایک ہی شخص ہیں جن کی شخصیت تاریخی حیثیت سے بالکل واضح ہے اور خرافات نے ان کی شخصیت پر کوئی پردہ خفا نہیں ڈالا ہے۔"

اور اس کے بعد عقیدت مندانہ انداز میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں کی تعریف کرتے ہیں بلکہ خراج عقیدت پیش کرتے ہیں لیکن اس کے بعد یہ بھی کہتے ہیں کہ:-

"بلاشبہ عرب کے لوگ جنہوں اور روضوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور روضوں کے حجرِ مجسموں میں جاگزیں ہونے کے قائل تھے۔ ان کے علاوہ قبیلہ قبیلہ کے الگ الگ بت بھی ہوتے تھے۔ اسلام نے ان سب بتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ صرف ایک حجرِ اسود کو باقی رکھا شاید اس لئے کہ اس سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا احترام مقصود تھا یا شاید یہ ایک سیاسی عمل تھا جس کے ذریعہ عربوں کے باہمی انفاق کو باقی رکھنا مقصود رہا ہو۔"

(۱۲۲-۱۲۳۔ مستشرقون و الاسلام مصنفہ زکریا ماشوم زکریا طبع القاہرہ ۱۹۶۵ء)

آپ نے دیکھا کہ فاضل پروفیسر نے کس معصومیت کے ساتھ یہ یقین دلانے کی سعی فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاسی مصلحت کی بنا پر ایک "بُت" کو یاقی رکھا اور اس حد تک بت پرستی کو اسلام میں جائز قرار دیا۔ حالانکہ زمانہ جاہلیت میں بھی جب کہ سینکڑوں بت تھے کبھی حجرِ اسود کو بتوں کے زمرہ میں شمار نہیں کیا گیا اور نہ کبھی اس کی پوجا کی گئی۔ حجرِ اسود کا ذکر ہی کیا اٹھارھویں صدی تک یورپ کے مستشرق اور محققین یہ لکھتے رہے کہ مسلمان جو حج کو جانتے ہیں وہ اس لئے جاتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک برنجی بُت بنوا کر رکھ دیا ہے۔ مسلمان اس بت کو سجدہ کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اٹھارھویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں خود علمائے یورپ نے اس کی تردید کی۔ اور ایک بار نہیں بار بار مختلف ممالک کے علماء نے اس کی تردید کی تب یہ خیال لوگوں کے دلوں سے محو ہو سکا یا شاید اب بھی دو راقا وہ دیہاتوں میں یہ خیال موجود ہو۔

مستشرقین کی مساعی جہیلہ بہر حال جیسے جیسے علم کی روشنی پھیلتی گئی۔ عربی کی کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہوتی رہیں۔ اور یہ انتہائی ناخوشگوار شے ہو گئی کہ عربی کتب کے اصل مضمون کی تصحیح و اشاعت اور ان میں سے بہت سی کتابوں کے یورپین زبانوں میں ترجمہ کرنے کے جو عظیم الشان خدمت کچھ پانچ سو سال کے اندر یورپ کے مستشرقین نے انجام دی ہے اس سے انکار کیا جائے۔ یا ان کو کمتر درجہ کا کارنامہ قرار دیا جائے۔ اس کے لئے سینکڑوں مستشرقین نے اپنی عمریں صرف کیں۔ حکومتوں اور بادشاہوں نے لاکھوں روپے خرچ کئے۔ دولت مندوں نے بڑے بڑے اوقاف قائم کئے۔ اور آج عربی کی بڑی بڑی اہم کتابیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں ان میں سے بہت سی کتابیں وہی ہیں جو مستشرقین کی مساعی جہیلہ سے پہلی بار طبع ہو کر ہمارے ہاتھوں آئی ہیں۔ اس طرح افزا پر دازی کا وہ بادل بھی آہستہ آہستہ چھوٹے رہا ہے جو صدیوں تک قدیم مستشرقین اور پیشوا یا مذہب کے بیانات اور ان کی تحریروں سے پورہین ذہنوں پر چھایا ہوا تھا۔ اب تحریروں کے انداز اور مستشرقین کی تحقیقات اسلامی کا طریقہ کسی نہ کسی قدر بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ اگرچہ اب بھی مقاصد میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں دکھائی دیتی۔

پادری زومیر کی "تحقیقات اسلامی" اور ڈاکٹر کینٹیل اسمتھ کی "تحقیقات" میں مقاصد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ملتا۔ دونوں کی تحقیقات کو دیکھ لیجئے مقصد وہی استعماریت کی تائید اور مسلمانوں کے خلاف نظر پھیلانے کی سعی ہے۔

چارادوار مستشرقین یورپ کی اسلامی تحقیقات کو ہم سہولت و مطالعہ کے لئے چار ادوار میں تقسیم کرتے

ہیں :-

۱۔ پہلا دور ابتدائے تاریخ اسلامی یعنی ساتویں صدی مسیحی یا گریگوری سے لے کر پندرھویں صدی مسیحی یعنی

بیداری یورپ تک۔

- ۲۔ دوسرا دور پندرھویں صدی کی ابتداء سے اٹھارھویں صدی کے اختتام تک۔
 ۳۔ تیسرا دور انیسویں صدی کی ابتداء سے بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی کے ختم یعنی ۱۹۲۵ء تک۔
 ۴۔ چوتھا دور ۱۹۲۶ء سے آج تک۔

دور اول میں یورپ کی حیثیت شناگرہوں کی سی ہے۔ اور مسلمانوں کی حیثیت استنادوں کی سی۔ یہ دور تقریباً آٹھ سو سال کے طویل زمانہ پر مشتمل ہے۔ اس دور میں مسلمان اندلس میں صقلیہ میں اور جنوبی ایتالیا میں حاکمانہ حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے بڑے بڑے علماء اور فلسفی ان علاقوں میں موجود تھے۔ اس وقت علم اور تمدن کے مالک مسلمان تھے ان ہی کی تہذیب تھی اور ان ہی کے علوم، علوم شمار کئے جاتے تھے۔

اس دور میں عیسائیوں اور خصوصاً یورپ کی ساری علمی زندگی پر ارباب کلیسا کا قبضہ تھا۔ پاپائے اعظم اور ان کے نائبین مسلمانوں سے مختلف علوم حاصل کرنے کی سعی کرتے تھے۔ اور عربی کتب و رسائل جمع کرتے تھے۔ اسلامی قوانین کا مقوڑا بہت مطالعہ اس دور کے آخری حصہ میں کیا گیا۔ طب، فلسفہ، فلکیات، زراعت اور قانون پر مسلمانوں کی تصانیف کا ترجمہ لاطینی اور فرنچ زبانوں میں ہوا۔

ابن رشد اور جابر بن اسحاق اور ابن سینا کی کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ یہ کام عموماً ایتالیا میں اور کسی قدر فرانس میں ہوا لیکن نہایت دانائی کے ساتھ فارابی کو "فارلس"، ابن رشد کو "ایوی روس" جابر کو "جیبر" اور ابن سینا کو "وی سینا" بنا دیا گیا۔ اور طلبہ کو یہ کبھی نہیں بتایا کہ یہ لوگ یورپین عیسائی نہیں بلکہ مسلمان تھے۔ اگرچہ یہ راز زمانہ مابعد میں راز نہ رہ سکا۔ لیکن یورپ کے کچھ نہ کچھ لوگ اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ یورپین تھے اور مذہباً مسیحی تھے۔

اس دور میں مسلمانوں اور دین اسلامی سے متعلق بڑے بڑے عجیب و غریب ہیبت ناک قصے ارباب کلیسا کی طرف سے پھیلاتے گئے۔ کچھ مسلمانوں کی سفاکی کے قصے اور کچھ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے سرو پا افسانے خوب خوب گھڑے گئے اور اسی زمانے میں یورپ والوں کو یہ باور کرایا گیا کہ مسلمان مکہ میں رسول اللہ کے برنجی بت کو سجدہ کرنے کے لئے جاتے ہیں۔

اسی دور کا ایک بڑا فاضل اے تورمیدا بھی ہے جس نے ایتالیا میں تعلیم حاصل کی۔ بہت دنوں تک عیسائی خانقاہ کا مرشد اعلیٰ رہا۔ اس کے بعد تونس چلا گیا۔ وہاں صدق دل سے مسلمان ہو گیا اور عبداللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ وہاں تقریباً اسی سال کی عمر میں ۱۴۳۲ء میں وفات پائی۔ اس کی قبر تونس میں باب المنارہ میں ہے (حوالہ

سابق ص ۱۲۲)

شیخ عبداللہ تورمیدا کے علاوہ اور بہت سے اطالوی اور فرنیچ مستشرقین نے مطالعہ کے ذریعہ دینِ حق کو پالیا۔ اور مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے بعض نے اسلام پر لاطینی اور فرنیچ میں کچھ رسالے بھی لکھے تھے۔ خدا جانے کہ یہ رسالے اب کہیں موجود ہیں یا ضائع کر دیے گئے۔

۲۔ دوسرا دور جو یورپ کی بیداری پر پندرھویں صدی مسیحی سے اٹھارھویں صدی کے ختم تک تقریباً ۴۰۰ سال مشتمل ہے۔ دولت عثمانیہ ترک کی اقبال مندی کا زمانہ ہے۔ ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور بہت سے ممالک یورپ کے عثمانیوں کے زیرِ نگیں آ گئے۔ اس دور میں ان کا لب و لہجہ بھی اسلاف کے خلاف بہت ہی تلخ ہو جاتا ہے۔ یہ تلخی عثمانی فتوحات کے خلاف جذباتِ نفرت کی پیداوار ہے۔

اس دور میں یورپین اقوام نے مشرق کی سرزمین ایشیا، افریقہ پر قبضہ کیا۔ مستعمرات اور یورپین مقبوضات کا یہی زمانہ ہے۔ انڈونیشیا، ملایا، ہندوستان، سومالیہ اور جنوبی اور مغربی و مشرقی افریقہ پر، نیدرلینڈ، فرانس، جرمنی برطانیہ اور اطالیہ کے تسلط کی ابتداء اس دور میں ہوئی۔ جن علاقوں پر ان استعمار پسندوں نے قبضہ کیا تھا ان میں سے اکثر میں مسلمانوں کی بڑی ہی نہیں بلکہ اکثریت کی آبادیاں تھیں۔ قبضہ اور تسلط قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ ان کی زبانیں سیکھی جائیں۔ ان کے عقائد و روایات سے واقفیت حاصل کی جائے۔ ان کے ایمان و عقیدہ کو وہم اور غیر ثابت شدہ حقیقت قرار دیا جائے۔

ان مقاصد کے لئے یورپین ممالک خصوصاً فرانس و جرمنی نے بڑی جدوجہد کی۔ اس وقت ان کے سامنے اہم ترین مسئلہ ایک یہ بھی تھا کہ دولت عثمانیہ کی قوت کو کسی طرح توڑا جائے۔ اس کام کے لئے یہ ضروری تھا کہ عربوں اور ترکوں کے مابین منافرت اور دشمنی پیدا کر دی جائے اور نہ صرف پیدا کر دی جائے بلکہ اس منافرت کو دوامی صورت دے دی جائے۔ اس مقصد کے لئے فرانس کے بادشاہ لوئی چارم نے بے دریغ دولت صرف کی مستشرقین اور مشرق شناسوں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر ان سے عربی قومیت، عربی تمدن، عربی رسم و رواج اور عربوں سے متعلق دوسرے امور پر کتابیں لکھوائی گئیں۔ عربوں کی تعریف و توصیف کے گیت گائے گئے۔

اس زمانہ کے مستشرقین کا بہت بڑا طبقہ یہ باور کرانے کی دھن میں لگا ہوا نظر آتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب بڑی عزت و شان کے مالک تھے۔ اسلامی تاریخ عربوں کے مجد و شرف کی تاریخ کا محض ایک باب ہے۔ اب تک جو تاریخیں لکھی جا چکی تھیں وہ مسلمانوں کی تازیخ ہوتی تھی۔ عربوں کی تاریخ الگ کوئی نہیں لکھنا تھا۔ لیکن اس دور کی آخری دو صدیوں میں عربوں کو ترکوں کے خلاف کرنے کی منظم جدوجہد یورپین حکومتوں نے مستشرقین کے ذریعہ شروع کی۔ عربی ممالک میں تحقیقاتی وفود کی ابتداء ہوئی۔ آثارِ قدیمہ نکالے جانے لگے۔ اور عربوں کو وطنی قومیت کے لئے تیار کیا جانے لگا جس کا نتیجہ تقریباً سو سال کے بعد بیسویں صدی کے اوائل میں خاطر خواہ نکلا۔

اس دور کی آخری دو صدیوں میں اسلام کے خلاف کتابوں اور رسالوں کی تالیف و اشاعت کا کام ایطالیہ اور فرانس تک محدود نہ رہا۔ بلکہ ان ہی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والوں کے ذریعہ یورپ کے دوسرے ممالک تک پھیل گیا خصوصاً جرمنی اور نیدرلینڈ میں مطابح قائم ہوئے۔ اور لوگ اس سلسلہ میں کام کرنے لگے۔ آخر میں انگلستان میں تعلیمی اشاعتی ادارے قائم ہو گئے۔

یہی وہ زمانہ ہے کہ جب کلیسا کا طلسم ٹوٹا اور اس دور کے آخر میں کچھ ایسے مستشرقین بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے پیشرو مستشرقین کی تردید کی اور ساتھ ہی کچھ نہ کچھ شبہات بھی پیدا کر دیے۔

تیسرا دور انیسویں صدی کی ابتداء سے ۱۹۲۵ تک ہے اس دور میں عربوں اور ترکوں کے مابین منافرت پیدا کرنے کی مہم بہت تیز کر دی گئی۔ اسلامی کتابوں کے ترجمے بکثرت شائع ہوئے۔ اس زمانہ میں تحقیقات کے نام سے مسلمانوں کے اندرونی اختلاف اور جدید فرق اسلام پر بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں۔

اس دور کے مستشرقین عربی متون کی تصحیح اور علوم ریاضیہ و تجربیہ کے تراجم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ مفاہد کے لئے کام کرتے نظر آتے ہیں۔

اولے۔ عربوں اور غیر عربوں میں تفریق کے لئے عربوں کی تعریف و توصیف اور غیر عرب مسلمانوں پر الزامات کا التزام اور (دوہر) مسلمانوں کی روایات اور ان کی تاریخ کو ناقابل اعتبار قرار دینے کی مساعی۔ مشہور پروفیسر ہامر اور ان کے نامی گرامی شاگرد کرنل لارنس آف عربیا اسی دور کے بزرگ ہیں۔ چوتھا دور جو ۱۹۲۶ء میں امیر کاتبانی کی وفات سے اب تک ہے۔

اس دور میں تحقیقات اسلامی کا دائرہ فقہ، اصول فقہ تک وسیع ہو گیا اسلامی فرقوں کے حالات اور ان کے افکار کی طرف توجہ بڑھا دی گئی ہے۔ اس دور میں ایک بات یہ بھی پیدا ہو گئی کہ بڑی حکومتیں خدا بیزاری اور مذہب سے نفرت کے اصول پر قائم ہوئیں۔ اس کی طرف توجہ ۱۹۲۵ء کے بعد سے ہوئی۔ اور ۱۹۴۵ء کے بعد تو خدا بیزار مملکتوں کا سلسلہ پروپیگنڈا خود عیسائیت کے لئے بلکہ دنیا کے تمام مذاہب کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گیا۔ اس لئے باستان شناسے چند مستشرقین یورپ کا لب و لہجہ اسلام کے خلاف یا وہ کوئی بین الاقوامی تنظیم ہو گیا۔ اور اس وجہ سے مذاہب کی کانفرنسوں، تقریروں اور مقالات صلح و آشتی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ اس صورت حال کا اثر سب پر نہیں پڑا۔

پادری سموئیل زومیر اور ان کے ہم نوا پوری طاقت کے ساتھ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لکھتے رہے۔ وہ اپنے لب و لہجہ میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکے مگر پھر بھی دیگر مستشرقین کا ایک بڑا طبقہ اس خطرہ کو محسوس کر کے اپنی تحریروں کو مصلحتاً کسی قدر نرم کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔

مستشرقین کی اسلامی تحقیقات کا مقصد جو ان کی تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ استعمار کے لئے راستہ کی ہمواری اور مسلمانوں میں تفریق پھیلانے کی جدوجہد کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ اس مقصد کے لئے وہ بڑے خلوص اور تندہی سے کام کرتے ہیں۔ تحقیق کے نام سے منافقوں اور اسلام دشمن اشخاص کے قدیم افعال ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور چونکہ عرب عیسائیوں اور یہودیوں کے اکثر نام مسلمانوں کے سے ہوتے ہیں اس لئے بڑی آسانی کے ساتھ وہ دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مسلمان حکومتوں میں ہمیشہ سے آزادی رائے رہی ہے۔ اس لئے ہزاروں یہودیوں اور عیسائیوں نے طرح طرح کی فضول اور مضرت تحریریں لکھی ہیں اور آج یہ تحریریں اسی طرح پیش کی جاتی ہیں۔ جیسے کسی مسلمان عالم دین کی کتاب لکھی ہوئی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ متون کتاب کی طباعت و اشاعت میں انہوں نے جو کام کیا ہے۔ فہرست سازی اور اشارہ نویسی میں جو محنتیں انہوں نے کی ہیں وہ لائق صد افرین ہیں۔ ان کی محنت و مساعی سے بہت سی کم یاب اور قیمتی کتابیں چھپ کر ہمارے لئے قابل حصول ہو گئیں۔ لیکن جہاں انہوں نے ترجمہ و تحشیہ کا کام کیا ہے یا کوئی کتاب لکھی ہے۔ وہاں کبھی بالارادہ اپنے جذبہ عداوت کے ماتحت اور کبھی محض اپنی جہالت سے کتاب کو کیا سے کیا بنا کے رکھ دیا ہے۔ اور عجیب عجیب گل کھلائے ہیں۔

مثال کے لئے مشہور مستشرق فلوجل کو لیجئے۔ انہوں نے قرآن مجید کا ایک نسخہ چھاپا۔ الفاظ کی فہرست مرتب کی اور ۱۸۴۲ء میں ایک وسیع لغت الفاظ قرآن مجید کا شائع کیا اس لغت میں انہوں نے ۳۹- الفاظ کے غلط عربی مادے لکھے اور نتیجہ معافی بدل دئے مثال کے لئے ان پانچ الفاظ کو دیکھئے۔

۱- انثون کا مادہ "ا۔ث۔ر" قرار دیا۔ حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل ث۔و۔ر ہے۔

۲- المنخاص کا مادہ "خ۔و۔ض" حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل م۔خ۔ض ہے۔

۳- استبقوا کا مادہ "ب۔ق۔ی" قرار دیا۔ حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل س۔ب۔ق ہے۔

۴- وقرن کا مادہ "ق۔ر۔ن" قرار دیا۔ حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل ق۔ر۔ر ہے۔

۵- مقیل کا مادہ "ق۔و۔ل" قرار دیا۔ حالانکہ اس کا صحیح مادہ فعل ق۔ی۔ل ہے۔

اس تبدیلی سے معافی بالکل بدل گئے یہ وہ مسٹر فلوجل ہیں جن کو مستشرقین کے نزدیک سند مستند کا مقام حاصل ہے۔ چونکہ ہمیشہ سے یہ اعتراف مسیحیت پر کیا جاتا رہا ہے کہ انجیل مقدس کے نام سے جو کتاب پیش کی جاتی ہے وہ حضرت عیسیٰؑ کی غلط اور فرضی سوانح عمری ہے اس میں ایک لفظ بھی وحی الہی کا نہیں ہے اور یہ اعتراف بالکل صحیح ہے۔ دنیا میں کہیں وحی الہی کا ایک لفظ بھی بجز قرآن کے موجود نہیں ہے۔ یہ امر واقعہ ہے اس کا کوئی جواب عیسائی مبلغین کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے مستشرقین نے اپنی تحقیقات اسلامی کا سارا زور اس پر لگا دیا ہے کہ

قرآن مجید بھی اصلی نہیں ہے۔ لہذا قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے وہ عجیب عجیب دلائل پیش کرتے ہیں مثلاً علامہ گولڈزہیر اپنی کتاب مذاہب التفہیم الاسلامی میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے ایک لفظ کی صحت بھی قابلِ اعتماد نہیں کیونکہ ابتداءً جب اسے لکھا گیا تو حروف پر نقطے نہیں تھے اس لئے لوگوں نے نہ جانے کیا لکھا تھا اور کیا پڑھا ۛ

ذرا غور فرمائیے اس فاضلِ مستشرق نے کیا بات پیدا کی ہے جس قوم میں مادرِ زاد اندھے حافظ رہے ہوں اور جس میں آج تک استاد سے شناگرد کی طرف علم کی منتقلی بذریعہ سورت و آواز ہو۔ اس میں نقطہ کی اہمیت کیا ہے۔ صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے آواز سننے تھے یا لکھی ہوئی تحریروں سے قرآن مجید یاد کرتے تھے۔ اور آج تک کسی مسجد یا کسی مدرسہ میں قرآن مجید بغیر معلم کی آواز کے بیک بورڈ پر لکھ کر پڑھا جاتا ہے؟ قرآن مجید کی آواز۔ مد۔ سکون۔ وقف۔ سکتہ یہ سب کچھ بذریعہ روایت محفوظ ہے۔ اس کے لئے حروف اور نقطہ کی ضرورت ہی کہاں پڑتی ہے؟ شاید علامہ گولڈزہیر کا مقصد یہ ہے کہ جب وحی آتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لکھوا کر اس لئے محفوظ فرمادیتے تھے کہ لوگ اگر مسجد میں رکھے ہوئے اس نوشتہ کو پڑھ لیں اور آپ کسی کو زبان سے کچھ نہیں سناتے تھے۔

بہی ہوتا کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی نے قرآن مجید کیسے یاد کیا۔ اور نا حروف شناس تو بہت سے حافظ قرآن صحابہؓ میں موجود تھے۔

اسی طرح کی مہل دلیلوں اور مغالطوں کے ذریعے حضراتِ مستشرقین یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ تورات تشریف اور انجیل مقدس کی طرح قرآن مجید بھی دنیا سے ناپید ہو گیا۔ اسی طرح سیرۃ طیبہ اسلامی تاریخ اور فقہ اسلامی میں طرح طرح کے شک پیدا کرنے کی کبھی بالارادہ کوششیں کرتے ہیں اور کبھی نقصِ مطالعہ اور غور و علم و فضل کی آمیزش سے ایسی باتیں لکھتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔

سنئے ایک مبلغ اور مستشرق ہیں "لوئی فونڈرین" انہوں نے ایک علمی مجلس میں یہ اعتراض کیا کہ ام المومنین حضرت خدیجۃ البکری کے گھر حضرت زبیرؓ اکثر آتے جاتے تھے اور کبھی کبھی وہاں سو بھی جاتے تھے ام المومنین ان کے سر میں لٹکھی بھی کر دیتی تھیں۔ حالانکہ اسلام میں کسی عورت کا غیر مرد سے اس طرح خلا ملا جائز نہیں ہے۔ اس اعتراض کے بعد جب انہیں بتایا گیا کہ حضرت ام المومنین خدیجۃ البکری حضرت زبیرؓ کی حقیقی چھوٹی بھین تھیں اور انہی نے بچپن میں ان کو پالا تھا کوئی غیر نہ تھیں۔ تو نہایت معصومیت سے کہا:-

"اچھا یہی بات ہوگی"

مثالوں سے بات بڑی طویل ہو جائے گی۔ لہذا اس گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے:-

۱۔ عیسائی اور یہودیوں کو ہمیشہ ہی سے اس کا صدمہ رہا ہے کہ اسلام نے شام و عراق بمصر و مراکش میں کیوں قدم جما لئے۔ اس کا انتقام لینے کے لئے انہوں نے تلوار کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی کام لیا اور لے رہے ہیں۔ اور ہمیشہ کام لیتے رہیں گے۔ مسلمانوں کو چوکنا رہنے کی ضرورت ہے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے شکایت کرنا بزدلی ہے۔ اور چوکنا رہنا ہوشیاری اور دانائی ہے۔

۲۔ عیسائی مبلغین جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں وہ کسی مذہب کے مبلغ نہیں۔ کبھی وہ استعماری حکومتوں کے ہراول دستے تھے اور اب یورپین تہذیب و تمدن کے نفارچی ہیں جنہیں بیش قرار تنخواہیں سیاسی مصالح اور تجارتی مقاصد کی تکمیل کے لئے دی جاتی ہیں۔ یہ مبلغ بھی ہوتے ہیں اور پروفیسر بھی اور کبھی کوئی اور روپ بھی دھار لیتے ہیں۔

۳۔ کسی کی بات کو بغیر تنقیح و تحقیق کے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے مستشرقین کے علم و فضل سے مرغوب ہو کر کوئی بات قبول نہیں کی جاسکتی۔ رہی اچھی اور سچی بات تو یہ دوست سے ملے یا دشمن سے۔ کلمۃ المحکمۃ ضانۃ المومن ایما وجدت فہو الحق بسہا کلمۃ حق مومن کا کھوپا ہوا مال ہے جہاں کہیں مل جائے مومن ہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔

وضو تو تم رکھنے کے لئے جو تے پہنا بہت
ضروری ہے ہر مسلمان کی کوشش
ہونی چاہیے کہ اس کا وضو قائم رہے۔

سروس انڈسٹریز

پائیدار۔ دلکش۔ موزوں اور
واجبی نرخ پر جو تے بناتی

سروس شوز



قد قد حسین قد قد آرا